لوگوں پر مزاج دار کا اعتقاد جم گیا۔ اگلے دن زلفن کو بھیج حجن کو بلوایا اور آج مزاج دار بیٹی بنیں اور حجن کو ماں بنایا۔ رات کے وقت محمد عاقل سے پھر حجن کا ذکر آیا۔ تو پھر محمد عاقل نے کہا کہ "دیکھو ہوشیار رہنا اس بھیس میں کٹنیاں اور ٹھگنیاں بہت ہوا کرتی ہیں" لیکن طمع نے خود محمد عاقل کی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ اتنی موٹی بات وہ نہ سمجھا کہ دو روپے کا مال چار آنے کو کوئی بے وجہ بھی دیتا ہے۔ محمد عاقل کو مناسب تھا کہ قطعاً اس حجن کے آنے کی ممانعت کرتا اور سب چیزیں اس کی پھروا دیتا اور مزاج دار کو اتنی عقل کہاں تھی کہ اس تہ کو سمجھتی۔ کئی دن کے بعد مزاج دار نے حجن سے پوچھا "کیوں بی؟ آجکل بیگم کی کوئی چیز نہیں لاتیں"؟ حجن نے جان لیا کہ اس کو اچھی چاٹ لگ گئی ہے۔ کہا "تمہارے ڈھب کی کوئی چیز نکلے تو لاؤں"۔

دو چار دن کے بعد چھوٹے موتیوں کی ایک جوڑی لائی اور کہا۔ لو بی، خود بیگم کی نتھ کے موتی ہیں۔ نہیں معلوم ہزار کی جوڑی ہے یا پانسو کی پنا مل جوہری کی دکان پر میں نے دکھائی تھی۔ لٹو ہو گیا۔ دو سو روپے میرے پلے باندھے دیتا تھا۔ میں بیگم سے پچاس روپیہ پر لائی ہوں، تم لے لو۔ پھر ایسا مال نہ ملے گا۔

مزاج دار نے کہا۔ پچاس روپے نقد تو میرے پاس نہیں ہیں۔

حجن نے کہا۔ کیا ہوا بیٹی پہنچیاں بیچ کر لے لو۔ نہیں تم جانو۔ آج یہ موتی بک جائیں گے۔

حجن نے اس ڈھب سے کہا کہ مزاج دار فوراً زیور کا صندوقچہ اٹھا لائی اور حجن کو پہنچیاں نکال کر حوالہ کر دیں۔

حجن نے مزاج دار کا زیور دیکھ کر کہا "اے ہے کیسی بد احتیاطی سے زیور مولی گاجر کی طرح ڈال رکھا ہے۔ بیٹی! دھگدگی میں ڈورا ڈلواؤ بالی، پتے، تگر، مرکیاں، بازوبند۔ میلے چکٹ ہو گئے ہیں۔ میل سونے کو کھائے جاتا ہے ان کو اجلواؤ"۔

مزاج دار نے کہا۔ کون ڈورا ڈلوا لائے اور کون اجلا کر لائے۔ ان سے کہتی ہوں تو وہ کہتے ہیں "مجھے فرصت نہیں"۔

حجن نے کہا "اوئی بیٹی! یہ کون بڑا کام ہے۔ لو موتی رہنے دو، ہیں ابھی ڈورا ڈلوا دوں اور جو زیور میلا ہے مجھے نکال لا دو۔ میں ابھی اجلوا دوں۔

مزاج دار نے سب زیور حوالے کیا۔

حجن نے کہا زلفن کو بھی ساتھ کر دو، وہ سنار کے پاس بیٹھی رہے گی میں پٹوے سے ڈلواؤں گی۔

مزاج نے کہا۔ اچھا۔

یہ کہہ کر زلفن کو آواز دی۔ آئی تو حجن نے کہا "لڑکی! ذرا میرے ساتھ چل۔ سنار کی دکان پر بیٹھی رہیو"۔

حجن نے زیور لیا۔ زلفن ساتھ ہوئی۔ گلی سے باہر نکل حجن نے رومال کھولا اور زلفن سے کہا لاؤ اجلوانے کا الگ کر لیں اور ڈورا

ڈلوانے کا الگ" زیور الگ کرتے کرتے ججن بولی - ایں! ناک کی کیل کہاں ہے؟"

زلفن نے کہا - اسی میں ہوگی، ذرا بھر کی تو چیز ہے اسی پوٹلی میں دیکھو۔

پھر ججن آپ ہی آپ بولی - اے ہے، پاندان کے ڈھکنے پر رکھی رہ گئی ارے زلفن دوڑ تو جا - جلدی سے لے آ۔

زلفن بھاگی بھاگی آئی اور دروازہ سے چلائی - بی بی ناک کی کیل پاندان کے ڈھکنے پر رہ گئی ہے - ججن نے مانگی ہے - جلدی دو ججن گلی کے نکڑ پر دیا بنیے کی دکان کے آگے بیٹھی ہے۔

یہ کہنا تھا اور مزاج دار بہو کا ماتھا ٹھنکا - زلفن سے کہا "باؤلی ہوئی ہے کیسی کیل؟ میرے پاس کہیں تھی تو نے دیکھی ہے؟ اری کمبخت دوڑ دیکھ تو ججن کہیں چلی نہ جائے"۔

زلفن اُلٹے پاؤں دوڑی - ججن کو ادھر دیکھا اُدھر دیکھا - کہیں پتہ نہ تھا مزاج دار سے آ کر کہا، بی ججن کا تو کہیں پتہ نہیں - میں بازار تک دیکھ آئی اتنی دیر میں نہیں معلوم کہاں غائب ہو گئیں"۔

یہ سُن کر مزاج دار سر پیٹنے لگی - ہائے میں لٹ گئی ہائے میں لٹ گئی۔ ارے لوگو! خدا کے لیے دوڑیو۔

موم گروں کے چھتے تک لوگ دوڑے - وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کہیں کی بہتی بہاتی مہینہ بھر سے کرایہ پر آ کر رہی تھی - چار دن سے مکان چھوڑ

چلی گئی - اب کیا ہو سکتا تھا۔

محمد عاقل نے آ کر سُنا - سر پیٹ لیا اور بیوی سے کہا "اری تو گھر کو خاک سیاہ کر کے چھوڑے گی - میں تجھ کو پہلے سے جانتا ہوں۔

مزاج دار نے کہا - چل دُور ہو - اب باتیں بنانے کھڑا ہوا ہے۔ ازار بند دیکھ کر تو نے آپ مجھ سے نہیں کہا کہ ہاں بیگم کا اسباب ضرور دیکھنا۔

غرض خوب مزے کی لڑائی دونوں میاں بی بی میں ہوئی - تمام محلہ جمع ہو گیا۔ بات پر بات چلی تو معلوم ہوا کہ اُسی ججن نے کنجنی گلی میں احمد بخش خاں کی بی بی کا تمام زیور اس حیلے سے ٹھگ لیا کہ ایک فقیر سے دُونا کرا لا دوں گی - روئی کے کٹڑے میں میاں سیتا کی بیٹی سے ایسی محبت بڑھائی کہ ان کا زیور عاریت کے حیلے سے اڑا لے گئی - غرض زیور تو گیا گزرا ہوا باتیں بہت سی رہ گئیں - برتن چوری جا چکے تھے - زیور یوں غارت ہوا - ہزار روپے کی موتیوں کی جوڑی جو لوگوں نے دیکھی تو تین بیسے کی تھی - تھانے میں اطلاع ہوئی لوگوں نے بطور خود بہت ڈھونڈا - ججن کا سراغ نہ ملا پر نہ ملا۔

اکبری کو جہیز میں جو کپڑے ملے تھے اُن کا حال سُنیے۔

جب تک ساس کے ساتھ رہیں، ساس دسویں پندرھویں دن نکال دھوپ دیا کرتی تھیں - شروع برسات میں الگ ہو کر رہیں کپڑوں کا صندوق جس کوٹھری میں جس طرح رکھا گیا تمام برسات گزر گئی اُس کو دیکھنا نصیب

نہ ہوا۔ وہیں اسی طرح رکھا رہا۔ جاڑے کی آمد میں دُلائی کی ضرورت ہوئی تو صندوق کھولا گیا۔ بہت سے کپڑوں کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ چوہوں نے کاٹ کاٹ کر لیغارے ڈال دیے تھے۔ کوئی کپڑا سلامت نہیں بچنے پایا۔

جو لڑکیاں بچپن میں لاڈ پیار میں رہا کرتی ہیں اور ہنر اور سلیقہ نہیں سیکھتیں۔ یوں اکبری کی طرح عمر بھر رنج و تکلیف اٹھاتی ہیں۔ اکبری کا جتنا حال تم نے پڑھا اس سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ اکبری کو ماں اور نانی کے لاڈ نے زندگی بھر کیسی مصیبت میں رکھا۔ لڑکپن میں اکبری نے نہ تو کوئی ہنر سیکھا نہ کچھ اُس کے مزاج کی اصلاح ہوئی۔ جب اکبری نے ساس سے جُدا ہو کر الگ گھر کیا۔ برتن بھانڈا کپڑا زیور سب کچھ اُس کے پاس موجود تھا۔ چونکہ خانہ داری کا سلیقہ نہیں رکھتی تھی۔ چند روز میں تمام مال اسباب خاک میں ملا دیا اور ایک ہی برس میں ہاتھ کان سے ننگی رہ گئی۔ اگر محمد عاقل بھی اس کی طرح احمق و بدمزاج ہوتا تو شاید ایک دوسرے سے قطع تعلق ہو جاتا۔ لیکن محمد عاقل نے ہمیشہ عقل و شرافت کو برتا۔

CH. 7

اصغری خانم کا بیان

اب سنو اصغری کا حال

یہ لڑکی اس گھر میں ایسی تھی جیسے باغ میں گلاب کا پھول یا آدمی کے جسم میں آنکھ۔ ہر ایک طرح کا ہنر، ہر ایک طرح کا سلیقہ اُس کو حاصل تھا۔ عقل۔ ہنر۔ حیا۔ لحاظ۔ سب صفتیں خدا نے اصغری کو عنایت کی تھیں لڑکپن سے اُس کو کھیل، کود، ہنسی اور چھیڑ سے نفرت تھی۔ پڑھنا یا گھر کا کام کرنا کبھی اُس کو کسی نے واہیات بکتے یا کسی سے لڑتے نہیں دیکھا۔ محلے کی جتنی عورتیں تھیں سب اُس کو بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں۔ بیشک زہے قسمت اُس ماں اور باپ کی جن کی بیٹی اصغری تھی۔ اور خوش نصیب اُس گھر کے جس میں اصغری بہو بن کر جانے والی تھی۔ اب خدا کے فضل و کرم سے اصغری کی عمر تیرہ برس کی ہوئی۔

بات تو اس کی محمد کامل سے ٹھہری ٹھہرائی ہی تھی اب چرچا ہونے لگا کہ مہینہ اور دن مقرر ہو جائے۔ اِدھر محمد کامل کی ماں اکبری کے ڈھنگ دیکھ کر اتنا ڈر گئی تھی (مثل ہے کہ دُودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک پیتا ہے) کہ اکبری کے تصور سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ درپردہ محمد عاقل کی ماں کا ارادہ تھا کہ چھوٹے لڑکے کی منگنی دوسرے گھر میں کروں محمد عاقل کو کسی طرح معلوم ہو گیا اور اُس نے ماں سے کہا "اماں! میں نے سنا ہے

تم محمد کامل کی منگنی چھڑانا چاہتی ہو؟"

ماں نے کہا کیا بتاؤں۔ بیٹا! بڑے سوچ میں ہوں۔ کیا کروں کیا نہ کروں؟ تم سے میری آنکھ سامنے نہیں ہوتی۔ خدا نے مجھ کو تمھارا گنہگار بنایا دیکھئے محمد کامل کی قسمت کیسی ہے؟

محمد عاقل نے کہا۔ اماں! میں سچ کہتا ہوں۔ اصغری ہزار لڑکیوں میں ایک ہے۔ عمر بھر چراغ لیکر ڈھونڈو گی تو اصغری جیسی لڑکی نہ پاؤ گی۔ صورت سیرت دونوں میں خدا نے اُس کو لائق اور فائق بنا دیا ہے۔ ہرگز اندیشہ مت کرو۔ بسم اللہ کرکے بیاہ کر ڈالو اور بڑی بہن پر جو خیال کرو تو آپ نے سنا ہوگا۔ ؎

نہ ہر زن زن ست و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

اپنا اپنا مزاج ہے اور اپنی اپنی طبیعت ؎

گل جو چمن میں ہیں ہزار دیکھ ظفر ہے کیا بہار
سب کا ہے رنگ الگ الگ سب کی ہے بو جدا جدا

تمھاری بڑی بہو کو لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اصغری سے کیا نسبت۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

خدا راس لائے۔ بیاہ کے بعد میری بات کا تم کو یقین ہوگا۔

محمد عاقل نے جو اصغری کی اس قدر تعریف بیان کی تو محمد کامل کے ساتھ جو بات تھی پکی ہو گئی۔ غرض دونوں سمدھیانوں کی صلاح سے یہ

قرار پایا کہ بقرعید کے اگلے دن اصل خیر سے نکاح ہو۔ اصغری کا باپ دُور اندیش خاں پہاڑ پر نوکر تھا اس کو خط گیا۔ خط کے پہنچتے ہی خانصاحب کی باچھیں کھل گئیں۔ اصغری کو سب بچوں میں بہت چاہتا تھا۔ فوراً رخصت کی درخواست کی۔ جواب صاف ملا۔ بہت زور مارے ایک چلی جاڑے کی آمد تھی۔ دَورہ شروع ہونے کو تھا۔ حاکم کو بھی بہانہ معقول تھا۔ دُور اندیش خاں کو رخصت نہ ملنے سے بہت رنج ہوا مگر بندگی و بیچارگی کیا کرتا۔ قہر درویش بجان درویش۔ چپ ہو کر بیٹھ رہا لیکن بڑا بیٹا خیر اندیش خاں ساتھ تھا ہزار روپے نقد دیے۔ اُس کو گھر روانہ کیا اور سب پیش و پس سمجھا دیا۔ گھر پر زیور کپڑا برتن سب پہلے سے موجود تھا خیر اندیش خاں نے مکان پر پہنچ چاول گھی گیہوں مصالح نمک سب بقدر ضرورت خرید لیا۔

اصغری کے کپڑوں میں مصالح ٹکنا شروع ہوا۔ ماں کا ارادہ تھا کہ اصغری کو بڑی بہن کی بہ نسبت بڑھ چڑھ کر جہیز ملے۔ جوڑے بھی اُس کے بھاری ہوں زیور کے عدد بھی زیادہ ہوں۔ برتن بھی استعمالی وزنی دیے جائیں اصغری آخر اُسی گھر میں رہتی تھی۔ جو بات ہوتی اُس کو ضرور معلوم ہوتی۔ جب اصغری نے سنا کہ مجھ کو آپا سے زیادہ جہیز ملنے والا ہے۔ بیوقوف لڑکی ہوتی تو خوش ہوتی۔ اصغری کو رنج ہوا۔ اور اس فکر میں ہوئی کہ کسی تدبیر سے اماں کو منع کر دوں۔

آخر تماشا خانم اپنی خالہ زاد بہن سے شرماتے شرماتے کہا کہ میں نے ایسا سُنا ہے مجھ کو اس کا نہایت سوچ لگا ہے۔ کئی دن سے نہایت فکر میں تھی۔ الٰہی کیا کروں۔ اچھا ہوا تم آنکلیں۔ بوجہ ہمعمری تم سے کہنے میں تامل نہیں۔ کوئی اماں کو اتنی بات سمجھا دے کہ مجھ کو آپا سے زیادہ ایک چیز نہ دیں۔

تماشا خانم نے سُن کر کہا۔ تم بھی بوا کوئی تماشہ کی عورت ہو۔ وہی کہاوت ہے (گدھے کو نون دیا۔ اس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں) خدا دلواتا ہے تم کیوں انکار کرو۔

اصغری نے کہا تم دیوانی ہوئی ہو۔ اس میں کئی قباحتیں ہیں آپا کے مزاج سے تم واقف ہو۔ اُن کو ضرور رنج ہوگا۔ ناحق اماں سے بدمزگی ہوگی مجھ سے بھی اُن کو بدگمانی پیدا ہوگی۔

تماشا خانم نے کہا۔ بوا اس میں رنج کی کیا بات ہے۔ اپنی اپنی قسمت ہے اور سمجھنے کو سَو طرح کی باتیں ہیں۔ اُن کی بسم اللہ کی شادی ہوئی۔ روزہ رکھایا گیا۔ چار برس تک منگنی رہی۔ تیج تہواران کا کون سا نہیں ہوا۔ اس کی کسر ادھر سمجھ لیں۔

اصغری نے کہا سچ ہے مگر نام تو جہیز کا ہے۔ چھوٹی کو زیادہ ملے گا تو بڑی کو رنج ہو ہی گا۔ ایک محلے کا رہنا روز کا ملنا ملانا۔ جس بات سے دلوں میں فرق پڑے۔ کیوں کی جائے؟

تماشا خانم نے کہا۔ بہن ناحق تم اپنا نقصان کرتی ہو۔ ابھی مہینہ دو مہینہ میں سب بھول بسر جائیں گے۔

اصغری نے کہا۔ ارے بی بی! اللہ اللہ کرو۔ نفع نقصان کیسا کہیں ماں باپ کے دینے سے پوری پڑتی ہے۔ اور جہیز سے عمریں کٹتی ہیں؟ خدا اپنی قدرت سے دے۔ تم اس بات میں اصرار مت کرو۔ نہیں میں کچھ دوسری تدبیر کروں۔ مجھ کو کسی طرح منظور نہیں

غرض اصغری کی ماں تک یہ بات پہنچ گئی۔ اور وہ بھی کچھ سوچ سمجھ اپنے ارادہ سے باز رہی اور دل میں کہنے لگی۔ دینے کے سو ڈھب ہیں۔ دوسری جگہ سمجھ لوں گی۔

الغرض روزِ مقرر کو ساعت نیک میں نکاح ہوگیا۔ مبارک سلامت ہونے لگی۔ خیر اندیش خاں ایسا منتظم آدمی تھا کہ اکیلے نے نہایت خوبی کے ساتھ بہن کا بیاہ کر دیا۔ براتیوں کی مدارات علیٰ قدرِ مراتب خوب ہوئی۔ حق حقوق والوں کو بہت خاصی طرح راضی کر دیا۔

جب اصغری کی رخصت کا وقت آپہنچا گھر میں آفت برپا تھی ماں پر تو نہایت درجہ کا صدمہ تھا۔ محلے کی بیٹیوں کا یہ حال تھا کہ آآکر اصغری کو گلے لگا لگا کر روتی تھیں اور ہر ایک کے دل سے دُعا نکلتی تھی۔ اصغری اُن دُعاؤں کا بڑا بھاری جہیز لے کر سُسرال میں داخل ہوئی۔ وہاں کی رسمیں جو تھیں ادا ہوئیں۔ رُونمائی کے

بعد اصغری خانم کو تمیز دار بہو کا خطاب ملا۔ آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اصغری نے خانہ داری کو کس طرح پر سنبھالا۔ کیا کیا مشکلیں اُس کو پیش آئیں۔ اور اس نے اپنی عقل سے کیونکر اُن کو رفع کیا۔

ذرا اصغری کی حالت کو اکبری کی حالت سے مقابلہ کرنا چاہیئے اصغری ماں کی دوسری بیٹی اور ساس کی دوسری بہو تھی۔ دونوں طرف کے ارمان اور حوصلے اکبری کے بیاہ میں نکل چکے تھے۔ اکبری سولہ برس کی بیاہی گئی تھی اور اصغری بیاہ کے وقت پورے تیرہ برس کی تھی جب اکبری کا بیاہ ہوا اُس کا دولہا محمد عاقل دس روپے کا نوکر تھا اور اصغری کا دولہا محمد کامل ہنوز پڑھتا ہی تھا۔ محمد عاقل کی بہ نسبت محمد کامل کم علم اور کم عقل بھی تھا۔ اکبری کامل دو برس تک بال بچوں کے بکھیڑے سے آزاد رہی اور اصغری کو خدا نے بیاہ کے دوسرے برس ہی چھوٹی سی عمر میں ماں بنا دیا۔ اکبری کو کبھی شہر سے باہر نکلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اصغری برسوں سفر میں رہی۔ بہر حال اصغری کی حالت اکبری کی حالت کے مقابلے میں اچھی نہ تھی۔ مگر اصغری کو چھٹپن سے تربیت ہوئی تھی۔ روز بروز گھر میں برکت زیادہ ہوتی جاتی تھی، یہاں تک کہ اکبری کا نام بھی کوئی نہیں جانتا اور خانم کے بازار میں تمیز دار بہو کا وہ عالیشان محل کھڑا ہے کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ اور اصغری خانم ہی کے نام سے وہ محلہ خانم کا بازار مشہور ہوا۔

جوہری بازار میں وہ اونچی مسجد جس میں حوض اور کنواں ہے تمیز دار بہو ہی کی بنوائی ہوئی ہے خاص بازار سے آگے بڑھ کر لال ڈگی کی بغل میں تمیز گنج اسی کا ہے۔ مولوی محمد حیات صاحب کی مسجد میں اب تک بیس مسافروں کو اُس کے لنگر خانہ سے خمیری روٹی اور چنے کی دال کا قلیہ دونوں وقت پہنچا کرتا ہے۔ قطب صاحب میں اولیا مسجد کے برابر سرائے اسی تمیز دار بہو کی بنوائی ہوئی ہے۔ فتحپوری میں بمبئی کے چھاپے کے پانچسو قرآن ایک دن اسی نے تقسیم کیے تھے۔ ہزار کمل آتے جاڑے اب تک مسکینوں کو اسی کے گھر سے ملا کرتے ہیں۔

CH. 8

جب خیر اندیش خاں نے اپنے باپ دور اندیش خاں کو اطلاع کی کہ خدا کے فضل و کرم سے خیر و خوبی کے ساتھ ہمشیرۂ عزیزہ کا عقد ذی الحجہ کی گیارھویں تاریخ کو مہر فاطمہؓ پر ہو گیا۔ دُور اندیش خاں نے دُو رکعت نماز شکرانہ ادا کی لیکن بیٹی کی مفارقت کا قلق بہت دن تک رہا۔ اصغری کے نام شادی ہو جانے کے بعد دور اندیش خاں نے جو خط لکھا۔ دیکھنے کے لائق ہے۔ اتفاق سے ہم کو اُس کی نقل ہاتھ آ گئی تھی۔ وہ خط یہ ہے۔

خط دور اندیش خاں

آرام دل و جانم برخوردار اصغری خانم سلمہا اللہ تعالیٰ، دُعا، اور اشتیاقِ دیدہ بوسی کے بعد واضح ہو۔ تمھارے بھائی خیر اندیش خاں

کے لکھنے سے تمھاری رخصت کا حال معلوم ہوا۔

برسوں سے یہ تمنّا دل میں تھی کہ یہ فرض میں اپنے اہتمام خاص سے ادا کروں مگر حاکم نے رخصت نہ دی۔ مجبور رہا۔ یہ بات تم پر ظاہر ہوئی ہوگی کہ سب بچوں میں تم سے مجھ کو ایک خاص درجہ کا اُنس تھا اور میں اس بات کو بطور اظہار احسان نہیں لکھتا بلکہ تم نے اپنی خدمت گزاری اور فرمانبرداری سے خود میرے اور سب کے دل میں جگہ پیدا کی تھی آٹھ برس کی عمر سے تم نے میرے گھر کا تمام بوجھ اپنے سر پہ اُٹھا رکھا تھا۔ مجھ کو ہمیشہ یہ بات معلوم ہوتی رہی کہ تمھارے سبب بیگم یعنی تمھاری ماں کو بڑی بے فکری حاصل ہے۔ جب کبھی اس اثنا میں مجھ کو گھر جانے کا اتفاق ہوا تو تمھارا انتظام دیکھ کر ہمیشہ میرا جی خوش ہوا۔ اب تمھارے رخصت ہو جانے سے ایسا نقصان ہوا کہ اس کی تلافی شاید اس عمر میں ہونے کی مجھ کو اُمید نہیں ہوسکتی۔ خدا تم کو جزائے خیر دے اور اس خدمت کے صلے میں میری دعاؤں کا اثر تم پر ظاہر ہو۔

خیر اندیش خاں کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تم نے اکبری خانم سے زیادہ جہیز نہیں لینا چاہا۔ اس سے تمھاری بلند نظری اور عالی ہمتی ثابت ہوتی ہے۔ مگر میں اس کا نعم البدل بھیجتا ہوں۔ وہ یہ خط ہے، اس کو تم بطور دستور العمل کے اپنے پاس رکھو اور ان نصیحتوں پر عمل کرو انشاءاللہ تعالیٰ ہر ایک تکلیف تم پر آسان ہوگی۔ اور اپنی زندگی آرام و

آسائش میں بسر کرو گی۔

سمجھنا چاہیئے کہ بیاہ کیا چیز ہے؟

بیاہ صرف یہی بات نہیں ہے کہ رنگین کپڑے پہنے اور مہمان جمع ہوئے مال و اسباب و زیور پایا بلکہ بیاہ سے نئی دنیا شروع ہوتی ہے۔ نئے لوگوں سے معاملہ کرنا اور نئے گھر میں رہنا پڑتا ہے۔ جس طرح پہلے پہل بچھڑوں پر جُوا رکھا جاتا ہے آدمی کے بچھڑوں کا جُوا بیاہ ہے۔ نکاح ہوا لڑکی بی بی بنی۔ لڑکا میاں بنا۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ دونوں کو پکڑ کر دنیا کی گاڑی میں جوت دیا۔ اب یہ گاڑی قبر کی منزل تک ان کو کھینچنی پڑے گی۔

پس بہتر یہ ہے کہ دل کو مضبوط کر کے اس بارِ عظیم کا تحمل کیا جائے اور زندگی کے دن جس قدر ہوں عزّت آبرو و صلحکاری و اتفاق سے کاٹ دیئے جائیں ورنہ لڑائی بھڑائی۔ جھگڑے بکھیڑے شور و فساد ہائے اور واویلا سے دنیا کی مصیبت اور بھی تکلیف دہ ہوتی ہے۔

اب تم کو اے میری پیاری بیٹی اصغری خانم سوچنا چاہیئے کہ میاں بی بی میں خدا نے کتنا فرق رکھا ہے؟

مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ بہشت میں اکیلے گھبرایا کرتے تھے۔ اُن کے بہلانے کو خدا نے اماں حوّا کو پیدا کیا جو سب سے پہلی عورت دنیا میں گزری۔ پس عورت کا پیدا کرنا صرف مرد کی خوشدلی

کے واسطے تھا تو عورت کا فرض ہے "مرد کو خوش رکھنا"

افسوس ہے کہ دُنیا میں کس قدر کم عورتیں اس فرض کو ادا کرتی ہیں۔

مردوں کا درجہ خدا نے عورتوں پر زیادہ کیا۔ نہ صرف حکم دینے سے بلکہ مَردوں کے جسم میں زیادہ قوت اور ان کی عقلوں میں زیادہ روشنی دی ہے۔ دنیا کا بندوبست مردوں کی ذات سے ہوتا ہے۔ مرد کمانے والے اور عورتیں اُن کی کمائی کو موقع مناسب پر خرچ کرنے والی اور اس کی نگہبان ہیں۔

کنبا بطور کشتی کے ہے اور مرد اُس کے ملاح ہیں۔ اگر ملّاح نہ ہو تو کشتی پانی کی موجوں میں ڈوب جائے گی۔ یا کسی کنارے پر "ٹکر" کھا کر پھٹ پڑے گی۔ کنبے میں اگر مرد منتظم نہیں تو اس میں ہر ایک طرح کی خرابی کا احتمال ہے۔ کبھی نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ دنیا میں خوشی دولت اور مالداری سے حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس میں بھی شک نہیں کہ دولت اکثر خوشی کا باعث ہوتی ہے مگر بہت بڑے اور اونچے گھروں میں لڑائی اور فساد ہم زیادہ پاتے ہیں۔

خانہ داری میں خوشی صرف اتّفاق اور صلحکاری سے ہوتی ہے۔

غریب آدمیوں کو ہم دیکھتے ہیں جن کی آمدنی بہت مختصر ہے۔ دن کو محنت مزدوری سے معاش پیدا کرتے ہیں۔ رات کو سب مل کر دال روٹی سے اپنا اپنا پیٹ بھر لیتے اور ایک دوسرے کے ساتھ خوش

رہتے ہیں۔ بیشک یہ لوگ صلحکاری کے سبب دال روٹی اور گاڑھے دھوتر میں زیادہ آرام سے ہیں بہ نسبت نوابوں اور بیگموں کے جن کا تمام عیش آپس میں سازگاری سے تلخ رہتا ہے۔

اے میری پیاری بیٹی اصغری خانم! اتفاق پیدا کرو اور صلحکاری کو غنیمت جانو۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ اتفاق کن باتوں سے پیدا ہوتا ہے نہ صرف اس بات سے کہ بی بی اپنے میاں سے محبت کرے بلکہ محبت کے علاوہ اس کو میاں کا ادب بھی کرنا لازم ہے۔ بڑی نادانی ہے اگر بی بی برابر درجے میں میاں کو سمجھے بلکہ اس زمانے میں عورتوں نے ایسا خراب دستور اختیار کیا ہے کہ وہ ادب کے بالکل خلاف ہے۔ جب چند سہیلیاں آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتی ہیں تو اکثر یہ تذکرہ ہوتا ہے کہ فلانی کا میاں اُس کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ رکھتا ہے؛

ایک کہتی ہے۔ بوا میں نے تو یہاں تک اُن کو دبایا ہے کیا مجال جو میری بات کو کاٹیں یا اُلٹ کر جواب دیں۔

دوسری فخر کرتی ہے جب تک گھڑیوں خوشامد نہ کریں میں کھانا نہیں کھاتی۔

تیسری بڑائی مارتی ہے۔ میں تو جب وہ دس مرتبہ پوچھتے ہیں تب ایک جواب مشکل سے دیتی ہوں۔

چوتھی ڈینگ کی لیتی ہے چاہے وہ آپ پہروں نیچے بیٹھے رہیں،

بندی کو پلنگ سے اُترنا قسم ہے۔

پانچویں شیخی بگھارتی ہے جو میری زبان سے نکلتا ہے پورا کر کے رہتی ہوں۔

شادی بیاہ میں ٹونے ٹوٹکے بھی اسی غرض سے نکلے ہیں کہ میاں مطیع و فرمانبردار رہے۔

کہیں تو جوتی پر کاجل اپار کر میاں کے سرمہ لگایا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب کہ عمر بھر جوتیاں کھاتا رہے اور چوں نہ کرے۔

کہیں نہاتے وقت انگوٹھے کے تلے بیڑا رکھا جاتا ہے اور میاں کو کھلایا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی کہ پیروں پڑتا رہے۔

ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ عورتیں مردوں کا درجہ اور اختیار کم کرنے پر آمادہ ہیں لیکن یہ تعلیم بہت بُری تعلیم ہے۔ اور ہمیشہ اس کا نتیجہ قباحت سے خالی نہیں۔ مردوں کو خدا نے شیر بنایا ہے۔ اگر دباؤ اور زبردستی سے کوئی ان کو زیر کرنا چاہے ناممکن ہے۔ بہت آسان ترکیب ان کو زیر کرنے کی خوشامد اور تابعداری ہے اور جو احمق عورت اپنا دباؤ ڈال کر مرد کو زیر کرنا چاہتی ہے وہ بڑی غلطی پر ہے وہ شروع سے تخم فساد بوتی ہے۔ اور انجام اُس کا ضرور فساد ہوگا۔ اگرچہ وہ اُس کو بالفعل نہیں سمجھتی۔

اصغری خانم میری صلاح ہے کہ تم گفتگو اور نشست و برخاست

میں بھی اپنے میاں کا ادب ملحوظ رکھنا۔ کیا وجہ ہے کہ شادی بیاہ ایسی چاؤ سے ہوتا ہے؟ اور چوتھی کے بعد ہی بہو سے ساس نندوں کا بگاڑ شروع ہو جاتا ہے یہ مضمون غور کے قابل ہے۔ بیاہ کے پہلے تک لڑکا ماں باپ میں رہا اور صرف اُنھیں کے ساتھ اُس کو تعلق تھا۔ ماں باپ نے اُس کو پرورش کیا اور یہ توقع کرتے رہے کہ بڑھاپے میں ہماری خدمت کرے گا۔ بیاہ کے بعد بہو ڈولی سے اُترتے ہی یہ فکر کرنے لگتی ہے کہ میاں آج ہی ماں باپ کو چھوڑ دیں۔

پس لڑائی ہمیشہ بہوؤں کی طرف سے شروع ہوتی ہے اگر بہو کنبے میں مِل کر رہے اور کبھی ساس کو یہ نہ معلوم ہو کہ یہ بیٹے کو ہم سے چھڑانا چاہتی ہے تو ہرگز فساد نہ پیدا ہو۔ یہ تو سب کوئی جانتا ہے کہ بیاہ کے بعد ماں باپ سے تعلق چند روزہ ہے آخر گھر الگ ہوگا۔ میاں بی بی جدا ہو کر رہیں گے دُنیا میں یہی ہوتی آئی ہے لیکن نہیں معلوم کمبخت بہوؤں کو بے صبری کہاں کی ہوتی ہے کہ جو کچھ ہونا ہو اسی دَم ہو جائے۔

بہوؤں میں ایک عیب چغلی کا ہوتا ہے جس سے زیادہ فساد ہوتا ہے وہ یہ کہ سُسرال کی ذرا ذرا بات آگر ماں سے کہا کرتی ہیں اور مائیں خود بھی کھود کھود کر پوچھا کرتی ہیں۔ لیکن اس کہنے اور پوچھنے سے سوائے اس کے کہ لڑائیاں پڑیں اور جھگڑے کھڑے ہوں۔ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بعض بہویں اس طرح کی مغرور ہوتی ہیں کہ سُسرال میں کیسا

ہی اچھا کھانا اور کیسا ہی اچھا کپڑا اُن کو ملے ۔ ہمیشہ نظر حقارت سے دیکھتی ہیں ۔ ایسی باتوں سے میاں کی دلشکنی ہوتی ہے ۔

اصغری ! اس کی تم کو بہت احتیاط چاہیئے ۔ سسرال کی ہر ایک چیز قابل قدر ہے اور تم کو ہمیشہ کھانا کھا کر اور کپڑا پہنکر بشاشت ظاہر کرنی چاہیئے ۔ جس سے معلوم ہو کہ تم نے پسند کیا ۔ سسرال میں نئی دُلھن کو اس بات کا خیال بھی ضرور رکھنا چاہیئے کہ بیدلی سے وہاں نہ رہے اگرچہ ناآشنا ہونے کے سبب البتہ اجنبی لوگوں میں جی نہیں لگتا ۔ لیکن جی کو سمجھانا چاہیئے ۔ نہ یہ کہ روتے گئے ۔ وہاں رہے تو روتے ، جاتے دیر نہیں ہوئی آنے کا تقاضا شروع ہوا ۔ رفتہ رفتہ اُنس پیدا کرنے کے واسطے چالوں کا رواج بہت پسندیدہ ہے ۔ اس سے زیادہ میکے کا شوق ظاہر کرنا سسرال والوں کو ضرور ناپسند ہوتا ہے ۔

گفتگو میں درجۂ اوسط ملحوظ رہے ۔ یعنی نہ اتنی بہت کہ خود بخود بک بک ۔ نہ اتنی کم کہ غرور سمجھا جائے ۔ بہت بکنے کا انجام رنجش ہوتا ہے ۔ جب رات دن کی بکواس ہوگی ۔ ہزاروں طرح کا تذکرہ ہو گا ۔ نہیں معلوم کس تذکرہ میں کیا بات مُنھ سے نکل جائے نہ اتنی کم گوئی اختیار کرنی چاہیئے کہ اب بولنے کے واسطے لوگ خوشامد اور منت کریں ۔

ضد اور اصرار کسی بات پر زیبا نہیں ۔ اگر کوئی بات تمھاری

مرضی کے خلاف بھی ہو ، اُس وقت ملتوی رکھو ۔ پھر کسی دوسرے وقت بطرز مناسب طے ہو سکتی ہے ۔ فرمائش کسی چیز کی نہ کرنی چاہیئے ۔ فرمائش کرنے سے آدمی نظروں میں گھٹ جاتا ہے اور اس کی بات ہیٹی ہو جاتی ہے ۔ جو کام ساس نندیں کرتی ہیں ۔ تم کو اپنے ہاتھوں سے کرنا عار نہ سمجھنا چاہیئے ۔ چھوٹوں پر مہربانی اور بڑوں کا ادب ہر دل عزیز ہونے کے واسطے بڑی عمدہ تدبیر ہے ۔ اپنا کوئی کام دوسرے کے ذمّہ نہیں رکھنا چاہیئے اور اپنی کوئی چیز بیخبری سے نہ پڑی رکھنی چاہیئے کہ دوسرے اس کو اٹھا لیں ۔

جب دو آدمی چپکے چپکے باتیں کریں ۔ اُن سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے ۔ پھر اس کی فکر بھی مت کرو کہ یہ آپس میں کیا کہتے تھے اور خواہ مخواہ یہ بھی مت سمجھو کہ کچھ ہمارا ہی تذکرہ تھا ۔ اپنا معاملہ شروع سے ادب لحاظ کے ساتھ رکھو ۔ جن لوگوں میں بہت جلد نہایت درجہ کا اختلاط پیدا ہو جاتا ہے ۔ اُسی قدر جلد اُن میں رنجش پیدا ہونے لگتی ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہر روز بلا ضرورت بھی اس خط کو کم سے کم ایک دفعہ پڑھ لیا کرو تا کہ اس کا مطلب پیش نظر رہے ، والدعا

محررہ دور اندیش خاں

CH. 9

باپ کا خط پا کر اصغری کے دل میں جوش محبت نے عجیب اثر پیدا کیا اور بے اختیار رونے کو جی چاہا ۔ لیکن نئی بیاہی ہوئی تھی

سسرال میں رو نہ سکی ۔ ضبط کو کام میں لائی اور باپ کے خط کو آنکھوں سے لگایا ۔ بہت احتیاط سے وظیفے کی کتاب میں رکھ لیا اور ہر روز بلا ناغہ اس خط کو پڑھا کرتی ۔ اور اس کے مطلب پر غور کیا کرتی تھی ۔

جب تک اصغری نئی بیاہی ہوئی رہی تو اس کا جی بہت گھبراتا تھا اس واسطے کہ دفعتہً ماں کا گھر چھوڑ کر نئے گھر اور نئے آدمیوں میں رہنا پڑا ۔ یہ تو کام اور انتظام کی خوگر تھی ۔ بے شغل اس کو ایک گھڑی چین نہ تھا یا ہمینوں بند کوٹھڑی میں ، چپ چاپ بیٹھنا ۔

ماں باپ کے گھر میں جو آزادی حاصل تھی وہ باقی نہ رہی ۔ یہاں سسرال میں آتے ہی اس کی ہر ایک بات کو لوگ دیکھنے اور تاڑنے لگے ۔ کوئی منہ دیکھتا ہے ۔ کوئی چوٹی کی بناوٹ ناپتا ہے ۔ کوئی قد کی اٹھان کو تاڑتا ہے ۔ کوئی زیور ٹٹولتا ہے ۔ کوئی کپڑے پہچانتا ہے ۔ کھاتی ہے تو لقمہ پر نظر ہے ۔ نوالہ کتنا بڑا لیا ۔ منہ کتنا کھولا ۔ کیونکر چبایا اور کس طرح نگلا ۔ اٹھتی ہے تو یہ دیکھتے ہیں کہ دوپٹہ کیونکر اوڑھا ، پائنچے کس طرح اٹھائے ۔ سوتی ہے تو وقت پر نگاہ ہے ۔ کس وقت سوئی ؟ کب اٹھی ۔ الغرض جملہ حرکات و سکنات اُس کی زیرِ نظر تھیں ۔ ایسی حالت میں اصغری کو سخت تکلیف ہوتی تھی ۔ لیکن ازبسکہ عاقلہ اور تربیت یافتہ تھی ایسے سخت امتحان میں کامل نکلی ۔ اور سب ادائیں اُس کی سسرال والوں کو بھائیں ۔

بات کی تو نہ اس قدر بہت ، کہ لوگ کہیں کیسی لڑکی ہے ؟ چار دن کی بیاہی ہوئی نے کس بلا کی بک بک لگا رکھی ہے ۔ نہ اتنی کم کہ بدمزاج اور تیوری چڑھی سمجھیں ۔ کھانا کھایا تو نہ اتنا زیادہ کہ محلے میں چرچا ہو نہ ایسا کہ ساس نندیں سر جھکا کر بیٹھ رہیں اور یہاں اثر نہ ہو ۔ سوئی تو نہ اتنا سویرے کہ چراغ میں بتی پڑی لاڈو میری تخت چڑھی اور نہ اتنی دیر تک کہ گویا مردوں سے شرط باندھ کر سوئی تھی ۔

دستور ہوتا ہے کہ نئی دلہن کو محلے کی لڑکیاں گھیرے رہا کرتی ہیں اصغری کے پاس بھی جب دیکھو دس پانچ موجود ۔ لیکن اصغری نے کسی سے خصوصیت پیدا نہ کی ۔ اگر کوئی لڑکی تمام دن بیٹھی رہ گئی تو یہ نہ کہا کہ بوا ! اپنے گھر جاؤ ۔ اگر کوئی نہ آئی تو اُس سے یہ نہ پوچھا کہ بوا ! تم کہاں تھیں ، کیوں نہیں آئیں ؟ اصغری کے اس طرزِ ملاقات اور طریقۂ مدارات سے رفتہ رفتہ لڑکیوں کا انبوہ کم ہو گیا ۔ خصوصاً محلے کے کمینوں کی لڑکیاں تو چاٹ کی آشنا ہوتی ہیں ۔ جب انھوں نے دیکھا کہ نہ تو پان پر پان ملتا ہے نہ کچھ سودے سلف کا ذکر ہے ۔ چھ سات دن میں بادل کی طرح چھٹ کر الگ ہو گئیں ۔

اصغری نے پہلے محمودہ اپنی نند سے ربط بڑھایا ۔ محمودہ لڑکی تو تھی ہی تھوڑے سے التفات میں رام ہو گئی ۔ دن بھر اصغری کے پاس گھسی رہا کرتی تھی بلکہ ماں کسی وقت کہہ بھی اٹھتی کہ اس بھاوج پر اتنی مہربان

کیوں ہو؟ بڑی بھاوج کے تو سایہ سے تو تم بھاگتی پھرتی تھیں۔ محمودہ کا جواب دیتی کہ "وہ تو ہم کو مارتی تھیں، ہماری چھوٹی بھابی جان تو پیار کرتی ہیں"۔

محمودہ کی ملاقات سے اصغری نے اپنا خوب کام نکالا۔ اول تو تمام گھر کا حال بلکہ تمام کنبے اور محلّے کا حال محمودہ سے پوچھ پوچھ کر معلوم کیا اور جو بات شروع میں شرم و لحاظ کے سبب خود نہ کہہ سکتی وہ محمودہ کے ذریعہ سے کہا کرتی۔

اصغری نے گھر کے کام میں بتدریج اس طرح پر دخل دینا شروع کیا کہ شام کو محمودہ سے روئی منگا کر چراغ کی بتّیاں بٹ دیا کرتی۔ ترکاری بنا لیتی۔ محمودہ کا پھٹا اُدھڑا کپڑا سی دیتی۔ ساس اور میاں کے لیے پان بنا دیا کرتی۔ شدہ شدہ باورچی خانہ تک جانے اور ماما عظمت کو بھوننے بگھارنے میں صلاح دینے لگی۔ یہاں تک کہ اصغری کی رائے پر کھانا پکنے لگا۔

جب سے اصغری نے کھانے میں دخل دینا شروع کیا۔ گھر والوں نے جانا کہ کھانا بھی عجب نعمت ہے۔ پھر تو یہ حال ہوگیا کہ جس دن اصغری کسی وجہ سے ماما عظمت کی صلاح کار نہ ہوتی، کھانا پھیکا پھیکا پھرتا تھا۔

ساس بہوؤں کی لڑائی کچھ معمولی بات ہے۔ اصغری یوں تو لڑنے کے قابل نہ تھی۔ اس کا ہنر باعثِ فساد ہوا۔

ماما عظمت اس گھر میں ایسی دخیلکار تھی کہ کل کاموں کا مدار اس ماما پر تھا۔ سودا سلف۔ کپڑا۔ اناج۔ جو کچھ بازار سے آتا سب ماما عظمت

کے ہاتھوں آتا۔ زیور تک ماما عظمت بنوا کر لاتی۔ قرض کی ضرورت ہوتی تو وہ بھی ماما عظمت کی معرفت لیا جاتا۔ غرضکہ ماما عظمت مردوں کی طرح اس گھر کی منتظم تھی۔ جب سے اصغری نے کھانے میں دخل دیا تو ماما عظمت کا غبن ظاہر ہونے لگا۔

ایک دن پسندوں کے کباب پک رہے تھے اور اصغری باورچیخانہ میں بیٹھی ہوئی ماما کو بتاتی جاتی تھی۔ جب گوشت پس کر تیار ہوا اور دہی مصالحہ ملنے کا وقت آیا۔ اصغری نے ماما سے کہا "دہی مجھ کو چکھا لو۔ کھٹا اور باسی ہوگا تو کباب بگڑ جائیں گے"۔

ماما نے دہی کا دونا نکال اصغری کے ہاتھ میں دیا۔ اصغری نے چکھا تو کھٹا چونا۔ کئی دن کا باسی۔ نیلا نیلا پانی الگ اور دہی کی پھٹکیاں الگ۔ اصغری نے کہا۔ اے ہے، کیسا بُرا دہی ہے۔ یہ تو ہرگز کبابوں میں ڈالنے کے لائق نہیں۔ ماما جلد جاؤ اور ٹکے کا اچھا تازہ میٹھا دہی دیکھ کر لاؤ۔

ماما نے کہا۔ اوئی بیوی! سیر بھر گوشت کے کبابوں میں ٹکے کا دہی؟ اُونٹ کے منہ میں زیرہ کیا ہوگا؟ یہ دہی جو تم نے ناپسند کیا ایک آنہ کا ہے۔

اصغری کو سُن کر حیرت ہوئی اور بولی کہ ہمارے گھر تو آئے دن کباب پکتے رہا کرتے تھے۔ ہمیشہ سیر بھر گوشت میں ڈیڑھ پیسے کا دہی پڑتا تھا۔ اس حساب سے تو ٹکے کا میں نے زیادہ سمجھ کر منگوایا کہ کباب خوب نرم اور سُرخ ہوں۔

ماما نے کہا۔ بیوی! تم اپنے محلے کا حساب کتاب رہنے دو۔ بھلا کہاں چاندنی چوک اور کہاں ترکمان دروازہ، جو چیز چاندنی چوک میں پیسے کی ہے وہ یہاں ایک آنہ کو بھی نہیں ملتی۔ یہ خاک ملا محلّہ تو اُجاڑ کوری سونا دیس ہے۔ ہر چیز کا توڑا۔ ہر چیز کا قحط رہتا ہے۔

چونکہ کھانے میں دیر ہوتی تھی اصغری یہ سُن کر چپ ہو رہی اور ماما سے کہا "خیر جتنے کا ملتا ہو جلد لاؤ"

لیکن اصغری ایسی بھولی نہ تھی کہ ماما کی بات کو تسلیم کر لیتی۔ اپنے دل میں کہنے لگی "ضرور دال میں کچھ کالا ہے" دمڑی چھدام کا فرق ہو تو مضائقہ نہیں۔ یہ غضب کہ ایک شہر کے دو محلوں میں دُگنے چوگنے کا فرق، اُس وقت سے اصغری بھی تاک میں ہوئی۔

اگلے دن ماما پان لائی تھی۔ اصغری نے دیکھ کر کہا کہ ماما تم بالکل ہرے پتے اٹھا لاتی ہو۔ ان میں نہ کچھ لذت ہوتی ہے نہ کچھ مزہ ملتا ہے اب تو جاڑے کی آمد ہے۔ کرارے پکے پان ڈھونڈ کر لایا کرو۔

ماما نے کہا۔ پکے پان تو پیسے کے دو آتے ہیں اور یہاں اللہ رکھے آدھی ڈھولی روز کا خرچ ہے۔ اس خیال سے میں نئے پان لاتی ہوں،

اتنے میں اصغری کے گھر سے اس کی ماما کفایت النساء خیر صلاح کی خبر کو آنکلی۔ پانوں کا تذکرہ تو درپیش تھا ہی۔ اصغری نے اپنی ماما سے پوچھا کیوں بی؟ کفایت النساء تم کو آج کل کے پان ملتے ہیں؟

کفایت النساء نے کہا۔ بیوی! پیسے کے سولہ۔

اصغری نے صندوقچہ کھول دو پیسے کفایت النساء کے ہاتھ میں دیے اور کہا "اسی محلے کے تنبولی سے پان لے آؤ"

کفایت النساء بڑے بڑے کرارے دلدار چالیس پان لے آئی۔

اصغری نے کہا۔ چاندنی چوک کی نسبت بھی پیسے پیچھے چار پان زیادہ ملے۔

کفایت النساء نے کہا بیوی یہ محلّہ شہر کا پھاٹک ہے جو چیز شہر میں آتی ہے اسی دروازہ سے آتی ہے۔ گوشت اناج پان، یہ چیزیں اس محلے میں سستی ملتی ہیں۔ البتہ ہری ترکاری سبزی منڈی سے سیدھے کابلی دروازے ہو کر شہر میں جاتی ہے وہ کسی قدر مہنگی ہوگی۔ پُرانے پان چالیس ملے اگر نئے لیتی تو ساٹھ ملتے۔

اصغری نے کہا۔ یہ نامراد ماما عظمت تو ہر چیز میں یوں ہی آگ لگاتی ہے۔ کفایت النساء، دو چار دن یہاں رہو۔ میں اماں سے کہلا بھیجوں گی، وہاں کا کام دو چار دن کے لیے ہر کوئی دیکھ بھال لے گا۔

کفایت النساء نے کہا۔ بیوی! میں حاضر ہوں۔ خدا نہ کرے کیا یہاں وہاں دو دو گھر ہیں۔

غرض چار دن کفایت النساء کے ہاتھوں ہر طرح کا سودا بازار سے آیا اور ہر چیز میں ماما عظمت کا غبن ثابت ہوا۔ لیکن یہ سب باتیں اس طرح پر ہوئیں کہ اصغری کی ساس کو خبر تک نہ ہوئی۔ اصغری نے جانا

یا کفایت نساء نے یا ماما عظمت نے۔ اس واسطے کہ اصغری بہت مروّت اور لحاظ کی عورت تھی۔ اس نے سمجھا کہ اس بڑھیا ماما کو بدنام اور رسوا کرنے سے کیا فائدہ؟

رات کے وقت کھانے سے فراغت ہو کر کوٹھے پر اصغری پان کھا رہی تھی۔ کفایت نساء بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنے میں ماما عظمت آئی۔

کفایت نساء نے کہا کیوں بوا عظمت؟ یہ کیا ماجرا ہے؟ چوری کون نوکر نہیں کرتا؟ دیکھو! یہ گھر والی موجود ہیں۔ سات برس تک برابر ان کی خدمت کی گھر کا کاروبار سب یہ اٹھائے ہوئے تھیں۔ اللہ رکھے امیر گھر اور امیری خرچ، ہزاروں روپے کا سودا انھیں ہاتھوں سے آیا۔ حق دستوری یہ کیونکر کہوں نہیں لی۔ اتنا لینا تو ہم نوکروں کا دھرم ہے چاہے خدا بخشے چاہے مارے لیکن اس سے زیادہ تو ہضم نہیں ہو سکتا۔ آگے بڑھ کر نمک حرامی میں داخل ہے۔

عظمت نے کہا۔ بوا! میرا حال کون نہیں جانتا؟ اب میری بلا چھپائے "ہاں میں تو چراتی اور لوٹتی ہوں" لیکن نہ آج سے بلکہ سدا سے میرا یہی کام ہے۔ ذرا میری حالت پر بھی تو نظر کرو کہ اس گھر میں کس بلا کا کام ہے؟ اندر باہر میں اکیلی آدمی چار نوکروں کا کام میرے اکیلے دم پر پڑتا ہے۔ پھر بوا بے مطلب تو کوئی اپنی ہڈیاں یوں نہیں پیلتا۔ بیوی کئی مرتبہ مجھ کو موقوف بھی کر چکی ہیں۔ پھر آخر مجھی کو بلوایا۔ سمجھ کا پھیر ہے۔ کوئی

یوں سمجھا کوئی دُوں سمجھا۔ چار آدمی کے بدلے میں اکیلی ہوں۔ چار کی تنخواہ بھی مجھ اکیلی کو ملنی چاہیئے۔

اور حال اس ماما عظمت کا اس طرح پر ہے کہ یہ عورت پچیس برس سے اس گھر میں تھی اور ہمیشہ لوٹنے پر اُتارو تھی ایک دن کی بات ہو تو چھپ چھپا جائے۔ آئے دن اس کا فریب ظاہر ہوا کرتا تھا۔ کئی مرتبہ نکالی گئی۔ جب موقوف ہوئی بنیئے۔ بزاز۔ سُنار۔ قسائی۔ کنجڑے جن جن سے اُس کی معرفت اُچاپت قرض اٹھتی تھی تقاضے کو آموجود ہوئے اس ڈر کے مارے پھر بُلائی جاتی تھی۔ یوں چوری اور سرزوری ماما عظمت کی تقدیر میں لکھی تھی۔ چتا کر لیتی اور بتا کر چُراتی۔ دکھا کر نکالتی اور لکھا کر مکر جاتی گھر میں آمدنی کم اور عادتیں بگڑی ہوئی کھانے میں امتیاز۔ کپڑے میں تکلف۔ سب کارخانہ قرض پر تھا۔ اور قرض کی آڑھت ماما عظمت کے دم سے تھی۔ کھلے خزانے کہتی تھی کہ "میرا نکلنا آسان بات نہیں۔ گھر نیلام کرا کے نکلوں گی۔ اینٹ سے اینٹ بجا کر جاؤں گی۔"

اصغری نے جو حساب کتاب میں روک ٹوک شروع کی تو ماما عظمت اصغری کی جانی دشمن ہو گئی اور اس فکر میں ہوئی کہ اصغری کو محمد کامل اور اُس کی ماں سے بُرا بنائے۔ لیکن اصغری اس ارادے سے بے خبر تھی، بلکہ اصغری نے جب دیکھا کہ ماما گھر کی مختار کل ہے نہ اپنی عادت سے باز آئے گی نہ نکلے گی تو اپنے جی میں کہا کہ پھر ناحق کی جھک جھک سے کیا فائدہ؟

میں مفت میں ماماے کیوں بُری بنوں۔ باورچی خانہ میں جانا اور کھانے میں دخل دینا بالکل موقوف کیا۔

گھر والوں کو تو اصغری کے ہاتھ کی چاٹ لگ گئی تھی۔ پہلے ہی وقت سے منہ بنانے لگے۔ کوئی کہتا ہے۔ اے ہے! گوشت منہ میں پھر پھر ہوتا ہے کوئی کہتا، دال میں نمک زہر ہوگیا ہے زبان پر نہیں رکھی جاتی۔ لیکن اصغری سے کون کہہ سکتا تھا کہ تم کھانا پکاؤ۔ مجبوراً جیسا بُرا بھلا ماما عظمت پکا رکھ دیتی کھانا پڑتا تھا۔

ایک دن برسات کے موسم میں بادل گھرا ہوا تھا۔ ننھی ننھی پھوار پڑ رہی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی محمد کامل نے کہا "آج تو کڑھائی کو جی چاہتا ہے لیکن بشرطیکہ تیز دار بہو اہتمام کریں۔" اصغری کوٹھے پر رہا کرتی تھی اُس کو خبر نہیں کہ محمد کامل نے کڑھائی کی فرمائش کی۔ ماما عظمت گھی شکر بیسن وغیرہ سامان لے آئی اور محمد کامل سے کہا صاحبزادے لیجیے! سب سودا تو میں لے آئی۔ جاؤں بہو صاحب کو بلا لاؤں۔ کوٹھے پر گئی تو اصغری سے کڑھائی کا کچھ تذکرہ تک نہیں کیا۔ اُسی طرح الٹے پاؤں اُتر آئی اور کہا "بہو کہتی ہیں میرے سر میں درد ہے"

ماما عظمت سے معمولی کھانا تو پک نہیں سکتا تھا۔ کڑھائی کیا خاک پکاتی سب چیزوں کا ستیاناس ملا کر رکھ دیا۔ کس آرزو سے محمد کامل نے فرمائش کی تھی۔ بدمزہ پکوان کھا کر بہت اُداس ہوا۔ کوٹھے پر گیا تو بی بی کو دیکھا کہ

اپنا پاجامہ سی رہی ہیں۔ جی میں ناخوش ہوا کہ ایں سینے کو سر میں درد نہیں اور ذرا کڑھائی کو کہا تو دردِ سر کا بہانہ کر دیا۔

یہ پہلی ناخوشی محمد کامل کو اصغری سے پیدا ہوئی اور دستور ہے کہ میاں بیبیوں میں بگاڑ اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں پیدا ہوا کرتا ہے ازبسکہ اکثر چھوٹی سی عمر میں بیاہ ہو جاتا ہے۔ خدا کے فضل سے عقل مصلحت اندیش نہ میاں میں ہوتی ہے نہ بی بی میں۔ اگر ذرا سی بات بھی خلافِ مزاج دیکھی تو میاں الگ اکڑے بیٹھے ہیں اور بی بی الگ مُنہ اوندھائے لیٹی ہیں اور جب ایک جگہ کا رہنا سہنا ہوا تو مخالفت کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بیشتر واقع ہونا کیا تعجب ہے۔ یہ مخالفت کثرت سے ہوتے ہوتے آپس کے اتحاد اور باہم کی موافقت میں بڑا فتور پیدا کرتی ہے اور دونوں طرف سے لحاظ اور پاس اٹھ جاتا ہے۔ اور تمام عمر جوتیوں میں دال بٹتی رہتی ہے۔

سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ میاں بی بی شروع سے اپنا معاملہ ایک دوسرے کے ساتھ صاف رکھیں اور ادنیٰ رنجش کو بھی پیدا نہ ہونے دیں ورنہ یہی چھوٹی چھوٹی رنجشیں جمع ہو کر آخر کو فسادِ عظیم اور بگاڑ ہو جائیں گے اور رنجش کو پیدا نہ ہونے دینے کی یہ حکمت ہے کہ "جب کوئی ذرا سی بات بھی خلافِ مزاج واقع ہو اس کو دل میں نہ رکھا منہ در منہ کہہ کر صاف کر لیا"

اگر محمد کامل میں عقل ہوتی اور وہ اس حکمت کو جانتا ہوتا تو ضرور بی بی سے بطور شکایت پوچھتا کہ "کیوں صاحب؟ ذرا سا کام تم سے نہ ہو سکا اور دردِ سر کا بہانہ کر دیا۔" اُسی وقت دو چار باتوں میں معاملہ طے ہو جاتا۔ اور ماما عظمت کی فطرت کھل پڑتی۔ لیکن محمد کامل نے منہ پر تو مہر لگائی اور دل میں دفترِ شکایت لکھ چلا۔ اصغری کو محمد کامل کی کم التفاتی سے کھٹکا ہوا اور سمجھی کہ خدا خیر کرے لڑائی کا آغاز نظر آتا ہے۔ ساس کو دیکھا تو اُن کو بھی مکدّر پایا۔ حیرت میں تھی کہ الٰہی کیا بات ہے؟

ابھی یہ بات طے نہ ہوئی تھی کہ ماما عظمت نے ایک وار اور کیا۔

رمضان کا قُرب تھا۔ محمد کامل کی ماں نے ماما عظمت سے کہا کہ ماما رمضان آتا ہے۔ ابھی سے تیاری کر چلو۔ برتن چھوٹے بڑے سب قلعی کرانے ہیں۔ مکان میں برس بھر ہوا سفیدی نہیں ہوئی۔ لالہ ہزاری مل سے کہو کہ جس طرح ہو سکے کہیں سے پچاس روپے دے کہ عید کا خرچ سر پر چلا آتا ہے۔

ماما عظمت بولی، تمیز دار بہو اپنی ماں کے یہاں مہمان جائیں گی اور میں نے سُنا ہے، تحصیلدار بھی آنے والے ہیں۔ ضرور۔ دونوں بیٹیوں کو بُلا بھیجیں گے اور میں نے ایک جگہ یہ بھی سُنا ہے کہ تمیز دار بہو کا ارادہ ہے اپنے باپ کے ساتھ چلی جائیں۔ بہو جائیں گی تو چھوٹے صاحبزادے بھی جائیں گے۔ پھر بیوی تمہارا اکیلا دم ہے مکان میں

سفیدی ہو کر کیا کرے گی اور برتن قلعی ہو کر کیا ہوں گے۔ ہزاری مل کمبخت تو ایسا بیمروّت ہو گیا ہے کہ ہر روز تقاضے کو اُس کا آدمی دروازہ پر کھڑا رہتا ہے اور قرض کیونکر دے گا؟

محمد کامل کی ماں یہ سُن کر سرد ہو گئی اور سرد ہونے کی بات بھی تھی۔ جس دن سے لاہور گئے پھر کر گھر کی شکل نہ دیکھی۔ چھٹے چھ مہینے برسویں دن جی میں آ گیا تو کچھ بھیج دیا ورنہ کچھ واسطہ نہیں۔ محمد عاقل ماں سے الگ ہو ہی چکا تھا۔ صرف محمد کامل کا دم گھر میں تھا۔ اس کے گئے پیچھے مطلع صاف تھا۔

محمد کامل کی ماں نے ماما سے پوچھا۔ اری سچ بتا۔ تمیز دار بہو ضرور جائیں گی؟

ماما بولی۔ بیوی! جانے نہ جانے کی تو خدا جانے۔ جو سُنا تھا سو کہہ دیا۔

محمد کامل کی ماں نے پوچھا۔ اری کمبخت! کس سے سُنا کیونکر معلوم ہوا؟

ماما بولی۔ سُننے کی جو پوچھو تو کفایت نسارے میں سے دو روپے قرض مانگے تھے اُس نے کہا "میں دیے تو دیتی ہوں لیکن پہاڑ پر جانے والی ہوں" تب میں نے اُس سے حال پوچھا۔ اُس سے معلوم ہوا کہ سب بات ٹھیک ٹھاک ہو چکی ہے بس اتنی دیر ہے کہ تحصیلدار آئیں۔ عید کی صبح کو یہ سب لوگ روانہ ہو جائیں گے۔ اور سننے پر کیا منحصر ہے۔ خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا ہے۔ بیوی! کیا تم کو تمیز دار بہو کے ڈھنگوں سے

نہیں سمجھ پڑتا۔ دیکھو! پہلے بہو گھر کا کام کاج بھی دیکھتی بھالتی تھیں اب تو کوٹھے پر سے نیچے اُترنا بھی قسم ہے۔ خط پر خط باپ کے نام چلے جاتے ہیں سوائے جانے کے ایسا اور کون سا معاملہ ہے؟

محمد کامل کی ماں یہ حال سُن کر سناٹے میں رہ گئی اور اسی سوچ میں بیٹھی تھی کہ محمد کامل باہر سے آیا۔

محمد کامل کو پاس بُلا کر پوچھا کہ کامل! ایک بات پوچھتی ہوں۔ سچ سچ بتائے گا!

محمد کامل نے کہا۔ امّاں! بھلا ایسی کون بات ہے جو تم سے چھپاؤں گا؟

محمد کامل کی ماں نے جو کچھ ماما سے سُنا تھا حرف بحرف محمد کامل سے کہا۔

محمد کامل نے کہا۔ امّاں میں سچ کہتا ہوں کہ مجھ کو اس کی مطلق خبر نہیں۔ نہ مجھ سے تمیز دار بہو نے اس کا تذکرہ کیا۔

محمد کامل کی ماں بولی۔ چل بیٹھ! ہمیں سے باتیں بناتا ہے اتنی بڑی بات اور تجھ کو خبر نہیں۔

محمد کامل نے کہا۔ تم کو تو یقین نہیں آتا۔ تمہارے سر کی قسم مجھ کو معلوم نہیں۔

اتنے میں ماما بھی آنکلی۔

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ کیوں ری عظمت! کامل تو کہتا ہے مجھ کو معلوم نہیں۔

ماما نے کہا۔ میاں! تم بُرا مانو یا بھلا۔ تمہاری بی بی جانے کی تیاریاں تو کر رہی ہیں۔ تم سے شاید چھپاتی ہوں۔ یہ مزاج دار بہو نہ ہوں کہ اُن کے پیٹ میں بات نہیں سماتی تھی۔ یہ تمیز دار بہو ہیں کہ کسی کو اپنا بھید نہ دیں۔

محمد کامل کی ماں نے پوچھا بھلا کامل اگر یہ بات سچ ہو تو تمہارا کیا ارادہ ہے؟

محمد کامل نے کہا۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تم کو اکیلا چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور تمیز دار بہو بھی ایسی کیا زبردستی ہے کہ بے پوچھے چلی جائیں گی اور میں آج تمیز دار بہو سے پوچھوں گا کہ کیوں جی؟ یہ بات کیا ہے؟

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ اس نامُراد ماما کی بات کا کیا اعتبار ہے۔ ابھی بہو سے کچھ ذکر مذکور مت کرو۔ جب بات تحقیق ہو جائے گی تو دیکھا جائے گا۔

اسی طرح کی باتوں سے ماما عظمت اصغری کو ساس اور میاں سے بُرا بنانے کی فکر میں تھی اور اصغری سے ہر چند کسی نے مُنہ در مُنہ کچھ کہا سنا نہیں لیکن وہ بھی ان سب کے قافیہ سے سمجھ گئی کہ ضرور کچھ کشیدگی ہے۔ اصغری کے پاس محمودہ بڑی جاسوس تھی۔ ذرا ذرا سی بات اصغری سے کہتی اور ماما کی بدذاتی سب اصغری پر کھل گئی تھی۔ لیکن اصغری

ایسی احمق نہ تھی کہ جلد بگڑ بیٹھتی وہ اس فکر میں ہوئی کہ اس معاملہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنا سننا مناسب نہیں۔ آخر کبھی نہ کبھی بات کھلے گی۔ اُس وقت دیکھا جائے گا۔

اصغری نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا عظمت رہ تو سہی انشاءاللہ تعالیٰ تجھ کو بھی کیسا سیدھا بناتی ہوں اب یہاں تک تیرے مغز چل گئے ہیں کہ گھر کے گھر میں فساد ڈلواتی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ تجھ کو وہاں ماروں کہ پانی نہ ملے اور ایسا اجاڑوں کہ اس محلّے میں آنا نصیب نہ ہو۔

CH. 11

ماما عظمت کی شامت سر پر سوار تھی۔ تیسرا وار اصغری پر اور صحیح کیا۔

ہزاری مل کی تو عادت تھی کہ جب کبھی ماما عظمت کو اپنی دُکان کے سامنے سے آتے جاتے دیکھتا تو ادبدا کر چھیڑتا کہ "کیوں ماما! ہمارے حساب کتاب کی بھی کچھ فکر ہے؟ اور آٹھویں ساتویں تقاضا کہلا بھیجتا۔

ایک دن حسب معمول ماما عظمت سودے سلف کو بازار جاتی تھی۔ ہزاری مل نے ٹوکا۔ ماما بولی "اے لالہ یہ کیا تم نے مجھ سے آئے دن کی چھیڑ خانی مقرر کی ہے۔ جب مجھ کو دیکھتے ہو تقاضا کرتے ہو۔ جن کو دیتے ہو، اُن سے مانگو، اُن پر تقاضا کرو۔ میں بیچاری غریب آدمی ٹکے کی اوقات مجھ سے اور مہاجنوں کے لین دین سے کیا واسطہ؟

ہزاری مل نے کہا یہ بات تم نے کیا کہی؟ کہ مجھ سے واسطہ نہیں دُکان سے تو تم لیجاتی ہو۔ ہاتھ کو ہاتھ پہچانتا ہے۔ ہم تو تم کو جانتے ہیں۔ اور

تمہاری ساکھ پر دیتے ہیں۔ ہم گھر والوں کو کیا جانیں؟

ماما نے کہا۔ اے لالہ! ہوش میں آؤ۔ ایسے گھر کے بھولے میری ایسی کیا حیثیت تم نے دیکھ لی۔ میرے پاس نہ جائداد نہ دولت اور تم نے سیکڑوں روپیہ آنکھ بند کر کے مجھ کو دیا اور اگر مجھ کو دیا تو جاؤ مجھی سے لے بھی لینا۔ میرے جو محل کھڑے ہوں گے بکوا لینا۔ قلعے میں جو میری تنخواہ ہو گی بند کر دینا۔

ماما کی ایسی اُکھڑی اُکھڑی باتیں سُن کر ہزاری مل بہت سٹ پٹایا اور ماما سے لگا وٹ کی باتیں کرنے لگا اور کہا کہ آج تو تم کسی سے لڑ کر آئی معلوم ہوتی ہو۔ بتاؤ تو کیا بات ہے؟ بیوی صاحب نے کچھ کہا یا صاحبزادہ کچھ خفا ہوئے؟ یہاں تو آؤ۔

اِدھر تو ماما سے یہ کہا اور اُدھر دُکان پر جو لڑکا بیٹھا تھا۔ ایک پیسہ اُس کے ہاتھ میں دیا کہ دوڑ کر دو گلوریاں زردہ ڈلوا کر بنوالا۔ جب ماما بیٹھ گئی تو پھر ہزاری مل نے ہنس کر پوچھا معلوم ہوتا ہے آج ضرور کسی سے لڑی ہو!

تمباکو[12]

ماما نے کہا۔ خدا نہ کرے کیوں لڑنے لگی۔ بات پر بات میں نے بھی کہدی۔ سچی بات پر بُرا کیوں مانتے ہو؟

ہزاری مل نے کہا۔ یہ تو ٹھیک ہے بیوہار تو مالک کے ساتھ ہے پر تمہارے ہاتھوں سے ہوتا ہے یا نہیں؟ نہ ہمارے نام رُقعہ نہ چٹھی۔ تم نے مالک کے نام سے جو مانگا سو دیا۔